© rasailojaraid.com

ہندی مسلم تہذیب پر ایران کے اثرات

مولانا محمد سعود عالم قاسمی

ایران اور ہندوستان کے تعلقات انتہائی قدیم ہیں، ان دونوں ممالک میں مسلم حکومتوں کے قیام سے بھی بہت سے باہمی روابط استوار ہو چکے تھے، سیاسی تعلقات کا آغاز ۵۱۲ء قبل از مسیح میں دارا ہستاشپ کے فتح پنجاب سے ہوا لیکن تہذیبی تعلقات کا آغاز اس سے بھی پہلے ہو چکا تھا،[1] ہندوستان اور ایران کے آریا ایک ہی نسل سے تعلق رکھتے تھے اور ایک ہی گہوارہ سے اٹھے تھے، وہ ایک ہی تہذیب اور یکساں طرز زندگی کے نمائندہ تھے۔[2] ہندوستان کی قدیم مذہبی کتابوں مثلاً "بھوشیہ پران" میں جن ماگھی برہمنوں کا تذکرہ ملتا ہے ان کے متعلق ایک خیال تو یہ ہے کہ وہ ایران کے مغ (مجوس) ہیں[3] اور اگر یہ دونوں ایک نہیں تو کم از کم اتنا ضرور ہے کہ ایران کے مجوس کے ماگھی برہمنوں پر نمایاں اثرات موجود ہیں، قدیم ہندوستان میں سورج کی پرستش کا رواج نہیں تھا۔ لیکن ماگھی برہمنوں میں سورج پوجا کا ثبوت ملتا ہے، سورج کی پرستش انہی مجوسیوں کے زیر اثر برہمنوں میں شروع ہوئی، یہ تصور عبادت مجوس اپنے ساتھ ایران سے لے کر آئے تھے۔[4] بعد میں ایران سے ہندوستان اور ہندوستان سے ایران آنے جانے والوں میں بتدریج اضافہ ہوتا گیا، اور دونوں ممالک میں روابط کی نئی نئی جہتیں سامنے آنے لگیں، دونوں ممالک کے باشندوں نے آمد و رفت کے ساتھ باہمی تال میل کی مناسب شکل پیدا کرلی اور زندگی کے بہت سے معاملات اور رجحانات میں ایک دوسرے کو متاثر کرنے لگے۔

اگر ان قدیم روابط کی تہہ میں اترنے کی کوشش کی جائے تو کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ دو تمدن ایک جان اور دو قالب کی حیثیت رکھتے ہیں، اس کا اندازہ کچھ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ زبان کے لحاظ سے سنسکرت اوستا کی بہن تسلیم کی جاتی ہے، دونوں کے الفاظ، نحو وصرف اور مادہ وغیرہ میں بڑی ہم آہنگی ملتی ہے۔[5] مذہبی لحاظ سے ہندومت اور زرتشت مذہب میں قابل لحاظ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مماثلت پائی جاتی ہے۔ چنانچہ وید اور اوستا اس درجہ باہم مربوط ہیں کہ دونوں ایک دوسرے کی بہترین تشریح معلوم ہوتی ہیں[۳] رگ وید اور اوستا دونوں بہت سے مشترک دیوتاؤں کی تعریف کرتی ہیں مثلاً سورج، مترا، وایو، یماخشائنا، کاویہ، تری تا کو اور اتھرا وغیرہ[۴]۔ گرسولڈ نے ایسے چوالیس دیوتاؤں کی فہرست پیش کی ہے جو اوستا اور رگ وید میں مشترک ہیں[۵]۔ یہاں تک کہ ان کے عقائد و عبادات اور رسوم و مناجات میں بھی یکسانیت موجود ہے، مختلف تقریبات میں ہندوؤں کی طرح پارسی بھی گائے کا پیشاب بنام نیرنگ استعمال کرتے ہیں، تناسخ ارواح (آواگمن) کا عقیدہ ان دونوں میں پایا جاتا ہے۔ اور دونوں ہی پرستش بزرگاں (ہیروز) کے قائل ہیں۔ ہندو بھی اپنی کمر کے گرد ایک دھاگہ لپیٹتے ہیں جسے عرف میں زنّار کہا جاتا ہے اور زرتشتی بھی کمر کے گرد ایک پٹی باندھتے ہیں اور اسے وہ کستی کا نام دیتے ہیں[۹]۔ زرتشت مذہب کے پیرو عبادات کے وقت ایک گھاس "سوم" استعمال کرتے ہیں اور یہی گھاس ہندوؤں کے یہاں بھی مقدس سمجھی جاتی ہے جس کو سومہ کہا جاتا ہے[۱۰]۔ قدیم مجوسیوں اور زرتشتیوں میں جس طرح قریبی رشتہ داروں مثلاً بھائی اور بہن میں شادی بیاہ کا رواج تھا اسی طرح ہندوستان کے ہندوؤں اور بالخصوص مغربی ہند میں اس کا رواج تھا[۱۱]۔ پروفیسر مولٹن کا خیال ہے کہ ہندوستان میں اسے بھی رواج دینے والے مجوس ہی تھے[۱۲]۔ جس زمانہ میں ایران پر اسلامی فوجوں کا حملہ ہوا اس وقت بہت سے پارسی ایک نئی اور پر سکون جگہ کی تلاش میں ہندوستان آئے اور یہاں کی بود و باش اختیار کر لی۔ ایرانی دانشور ڈاکٹر محمد علی خزائلی کے بقول زرتشت حضرات بنی امیہ کے زمانہ میں عرب حکومت سے ناراض ہو گئے اور بہت سے پارسی ۷۱۶ء میں ہجرت کر کے ہندوستان آئے اور ساحل گجرات پر اقامت پذیر ہوئے[۱۳]۔ یہ حضرات اپنے ساتھ زرتشت مذہب اور ثقافت کا پشتارہ بھی لے کر آئے، چنانچہ یہاں سے ایران و ہند کے تہذیبی تعلقات میں ایک نئے مگر خاموش دور کا آغاز ہوا۔ پھر جب ہندوستان پر عربوں نے حملہ کیا تو ایک مختصر سی مدت کے لیے ہند و ایران کے باہمی روابط میں ٹھہراؤ سا آگیا مگر جلد ہی ترکوں نے ہندوستان کو فتح کر کے اس قدیم تعلق کو از سر نو استوار کر دیا اور اب یہ تعلقات سیاسی، سماجی، مذہبی، ادبی اور تہذیبی گویا ہر سطح تک وسیع ہو گئے، غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہی وہ دور ہے جس میں ہندوستانی تہذیب پر ایران کے نمایاں اثرات قائم ہوئے اور کسی نہ کسی درجہ میں آج تک موجود ہیں۔ غالباً انہی اسباب کے پیش نظر پنڈت جواہر لال نہرو نے کہا ہے کہ "ہندوستان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر جن قوموں نے اپنے اثرات چھوڑے ہیں ان میں قدیم اور دور رس اثرات ایران کے ہیں[۱۴]
یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ہندوستان کے ترک فاتحین اور افغان اور تاتار حملہ آوروں کا تعلق ایران سے تھا۔ وہ ہندوستان میں قدم جمانے سے پہلے ایران کے تہذیبی و تمدنی سرچشمہ سے پوری طرح سیراب ہو چکے تھے، غزنوی اور غوری امرا، ترک اور تیموری حکمراں سب کے سب اپنے مراکز میں نہ صرف فارسی زبان بولتے تھے بلکہ ان کے درباروں میں فارسی ادبیات اور پارسی طور و طریق کا رواج تھا، یہ حضرات جب ہندوستان آئے تو ان قدیم نظریات و خیالات اور رسوم و رواج کے ساتھ آئے، اس کے نتیجہ میں ہندوستان میں اسلامی تہذیب بلکہ مسلمانوں نے بھی ایرانی رنگ و آہنگ قبول کرلیا اور ہندی مسلمان مخلوط اسلامی و ایرانی تہذیب کے نمائندہ بن گئے، مشہور ایرانی دانشور علی اصغر حکمت نے جسے ہندوستانی معاشرہ کا تفصیلی مشاہدہ اور مطالعہ کرنے کا موقع ملا تھا، اپنی کتاب "سرزمین ہند" میں وضاحت کی ہے کہ "تیسری صدی ہجری یعنی نویں صدی عیسوی اور اس کے بعد کے عرب اور ترک فاتحین ایرانی تمدن میں غرق تھے اور ایران نے ان کو اپنے قدیم آداب و تہذیب میں جذب کرلیا تھا، اس لیے ہندوستان میں بھی ان کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ اسی (ایرانی) تمدن کے حامل اور اسی تہذیب کے ناقل بنے رہیں اس طریقہ سے کہ ایرانی طرز فکر اور تخیل، فلسفہ اور تصوف، زبان اور ادبیات، فنون لطیفہ اور سماجی تشکیلات کا جامہ انھوں نے ہندوستانی پیکر کو پہنایا"[۱۵]

ایران اگرچہ خود بھی اسلامی مملکت کا ایک حصہ بن چکا تھا اور وہاں اسلامی حکومت کے تحت قدیم مقامی نظریات و تصورات دب گئے تھے، تاہم ان نظریات نے کلی شکست ہرگز قبول نہیں کی اور کچھ عرصہ بعد ایرانی معاشرہ اسلام کے وسیع بین الاقوامی تصور کو چھوڑ کر شعوبیت اور عجمیت کی تنگ و تاریک گھاٹیوں پر گامزن ہونے لگا۔ عباسیوں کے دور حکومت میں عربی تہذیب ضعف و اضمحلال کا شکار ہونے لگی اور اس کی جگہ ایرانی تہذیب نے لینی شروع کی، ایران قدیم کے اصول و ضوابط، عادات و رسوم اور علوم و فنون وسیع پیمانہ پر رواج پانے لگے، ایران کی عظمت رفتہ کو علمی اور ثقافتی بساط پر نمایاں کرنے کے لیے کثرت سے ایران قدیم کی تاریخ، اس کے مشاہیر (HEROS) کی سیرت حکومت کے آئین، پارسی ادبیات، زرتشتی مذہب کے اصول اور دیگر متعلقہ موضوعات پر کتابیں لکھی گئیں اور فارسی سے عربی زبان میں ترجمہ کی گئیں، ابن مقفع نے کتاب "خدائے نامہ" آئین نامہ، مزدک، کتاب التاج (سیرت نوشیرواں) ادب کبیر،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ادب صغیر، بیتسمہ، لیکسین وغیرہ کے ترجمے کیے، آخرالذکر کتاب کی ایرانی بڑی تعظیم و تکریم کرتے تھے کیونکہ اس میں ان کے بادشاہوں اور قومی ہیروز کے حالات تھے، جبلہ بن سالم نے کتاب رستم و اسفندیار اور بہرام گوش کے ترجمے کیے، اسی طرح اوستا اور اس کی شروح کا ترجمہ کیا' ادبیات میں کلیلہ دمنہ، ہزار افسانہ، بوسفاسس، خرافۃ و نزہۃ، الدب والثعلب، موبذ موبذان، اردشیر توقیعات کسریٰ وغیرہ کے ترجمے کیے گئے[۱۶] سب سے زیادہ ایران کے حکام اور ہیروز کے حالات اور ایران کی سیاسی و تمدنی تاریخ بیان کرنے پر زور دیا گیا۔ حمزہ اصفہانی کہتا ہے کہ "مجھ کو تاریخ فارس کے آٹھ نسخے دیکھنے کا موقع ملا اور وہ ابن مقفع کی نقل کردہ سیر ملوک الفرس' محمد بن جہم برمکی کی سیر ملوک الفرس، خزانہ مامون سے برآمد کی ہوئی تاریخ ملوک الفرس، زادویہ بن شاہویہ اصفہانی کی نقل کردہ سیر ملوک الفرس، محمد بن بہرام بن مطیار اصفہانی کی جمع کردہ سیر ملوک الفرس، ہشام بن قاسم اصفہانی کی تاریخ ملوک بنی ساسان اور کتاب تاریخ ملوک بنی ساسان من اصلاح بہرام بن مردانشاہ موبذ (کورۃ شاپور) من بلاد فارس تھیں، جب میں نے ان نسخوں کو ملا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس باب کا حق ادا کیا جا چکا ہے[۱۷] مسعودی نے مروج الذہب و معادن الجوہر میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن مقفع وغیرہ نے فارسی اور پہلوی زبانوں سے مانی، ابن دیسان، مرقیون (ائمہ مجوس) کی کتابوں کے جو ترجمے کیے اور اس کے ساتھ خود مسلمانوں میں سے ابن ابی العوجاء حماد عجرد، یحییٰ بن زیاد، مطیع بن ایاس وغیرہ نے ان کتابوں کی تائید میں جو تصنیفات رقم کیں اس کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں میں زندقہ اور الحاد پھیل گیا[۱۸] دوسری طرف اسلامی اصول و عقائد اور عبادات میں عقلی بحث و مباحثہ اور آزادانہ "علمی مجلس" کا انعقاد ہونے لگا، ان مجلسوں میں پارسی، مانوی، مجوسی یہودی اور عیسائی یعنی سبھی مذاہب کے لوگ کھلے عام اپنے نظریات کا اثبات اور اسلام کا ''' کرنے لگے، ان میں بعض وہ بھی تھے، جنھوں نے قرآن کا رد لکھا اور انبیاء پر اعتراضات کیے، حکومت نہ صرف اس پر خاموش تھی بلکہ اس کی ذمہ داری بھی بہت حد تک اس پر عائد ہوتی تھی[۱۹]

مامون نے ایک مرتبہ قسطنطنیہ کے عیسائی بادشاہ کو لکھا کہ آپ کے پاس فلسفہ اور یونانی علوم کی جو کتابیں ہیں وہ ہمارے پاس بھجوا دیجیے بادشاہ کو پہلے تو تامل ہوا پھر جب بڑے پادری نے کہا کہ یہ کتابیں ضرور بھجوا دیجئے کیونکہ یہ جہاں بھی پہونچیں گی ان سے دینی عقائد میں تزلزل پیدا ہوگا تو بادشاہ نے وہ کتابیں مامون کو بھجوا دیں[۲۰]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان حالات کے زیر اثر ایران قدیم کی تہذیبی بازیافت کی جدوجہد تیز تر ہوئی، اور اسلامی تہذیب برائے نام یا محدود ہو کر رہ گئی، خود خلفائے بنو عباسیہ پورے طور پر ایرانی تہذیب و تمدن میں غرق ہو گئے اور اسلام کے ساتھ ان کی ہلکی سی وابستگی باقی رہ گئی[۲۱] یہی وجہ تھی کہ بغداد کی عباسی خلافت کے کمزور ہوتے ہی مختلف صوبوں میں طاہریہ، صفاریہ، سامانی، دیلمی، غزنوی، سلجوقی، خوارزمی وغیرہ جیسی خود مختار ریاستیں وجود میں آنے لگیں ان نئی حکومتوں کے قیام کا مقصد ایرانی تہذیب کو زندہ کرنا تھا، ان کے ذہنوں پر ایرانی حکمرانوں کے نقش تھے وہ اپنی ذاتی حیثیت میں اسلام پر کسی حد تک یقین رکھتے بھی ہوں تو ان کی سیاسی زندگی کی بنیادیں اسلامی اصولوں پر قائم نہیں تھیں، ان کی سیاست اور خراج و باج کے آئین قیصر و کسریٰ کے دستور و قواعد پر مبنی تھے، زبان پر کبھی قرآن کا نام بھی آجاتا تھا لیکن اصل میں ان کی رہبری آئین نوشیروانی اور تورہ چنگیزی سے ہوتی تھی، ان سلاطین کو دیکھ کر بقول مولانا شبلی ایسا گمان ہوتا تھا کہ کیقباد و کیخسرو نے طغرل و سنجر کا قالب بدل لیا۔[۲۲] پروفیسر محمد حبیب لکھتے ہیں کہ امتداد وقت نے ان (ایرانیوں) میں ساسانیوں کی عظمت کا احساس پھر جگا دیا چنانچہ ایران کے چند خاندانوں اور ان کے درباری شعرا نے ایران میں ایک تمدنی انقلاب برپا کر دیا جو ایران کا نشاۃ ثانیہ کہلاتا ہے، گذشتہ ایران کی عظمت کو بیان کرنے کے لیے اب مواد کی ضرورت پیش آئی اور ذرائع ناپید ہونے کی وجہ سے رودکی اور فردوسی کو ان عربی کتابوں سے استفادہ کرنا پڑا، جن کی فارسی روایات کا ذکر محض خال خال موجود تھا۔[۲۳] ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کا یہی تاریخی اور تہذیبی پس منظر تھا جس کے اثرات اپنے ذہن و دماغ میں لیے وہ یہاں آئے اور انہی افکار و تصورات کی بنیادوں پر اپنی حکومت کی تشکیل کی، اور اسی نقشہ کے مطابق انھوں نے سماجی زندگی کو استوار کرنے کی کوشش کی چنانچہ ہندوستان کے مسلم حکمرانوں کے متعلق بعض مورخین کا یہ خیال درست معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسلامی تہذیب یا عربی تہذیب کے بجائے ایرانی تہذیب کے نمائندہ تھے، اسلام کو نظری حیثیت سے قبول کر لینے کے باوجود ان کے ذہنوں پر ایران ہی کا نقش مرتسم تھا، کیونکہ جس طرز سیاست اور انداز معاشرت کو انھوں نے ہندوستان میں رواج دیا وہ اپنی خصوصیات اور مزاج کے اعتبار سے ایرانی تھا بقول ڈاکٹر نظامی سلاطین دہلی کے فکر و عمل میں ایرانی عنصر بہت غالب تھا، ان کی حکمرانی کے نظریے نظام مملکت کے اصول دربار کے آداب و رسوم لباس اور لوازم شاہی، محلات کا ماحول، خواجہ سراؤں، غلاموں اور حاجبوں کی تربیت سب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساسانی رنگ میں رنگے ہوئے تھے، ایک طرف ان کے عیش و نشاط کی محفلیں، بہرام، پرویز اور جمشید کی محفلوں کی یاد تازہ کرتی تھیں تو دوسری طرف ان کی رزمی زندگی اور ان کے آئین جنگ اور تربیت فوج میں ساسانی نقشہ نظر آتا تھا، ایرانی نشاۃ ثانیہ نے ان کے دل و دماغ کو اس قدر متاثر کر دیا تھا کہ ان کا یہ عقیدہ ہو گیا تھا کہ حکمرانی بغیر ایرانی ماحول پیدا کیے ممکن نہیں[۲۴]

ایرانی شہنشاہیت کی نمایاں خصوصیت اس کا یہ دعویٰ تھا کہ بادشاہ خدا کا نائب ہے، اگر بادشاہ ایسا ہو کہ اس کے باپ دادا بھی بادشاہ رہے ہوں تو وہ اپنے حسب نسب کے اعتبار سے بادشاہی کا مستحق ہوتا ہے، اس کی عزت و حشمت سینوں میں بیٹھ جاتی ہے[۲۵] بادشاہ اپنی رعیت کا آقا اور مالک ہے، وہ اس کی زندگی آزادی اور جائداد پر تصرف کا حق رکھتا ہے، وہ قانون اور حقوق کی واحد بنیاد ہوتا ہے۔ خود غلطی کرنے سے مبرا ناقابلِ مزاحمت اور زمین پر مجازی خدا ہوتا ہے[۲۶] بادشاہ کا دل مظہر ربانی ہوتا ہے۔ اور یہ منظر بہت ہی نادر ہے کسی اور بنی آدم کے منظر سے اس کو کوئی نسبت نہیں[۲۷]۔ اسلام مطلق العنانی کے سراسر خلاف ہے اس کے نزدیک بادشاہ نہ خدا ہے اور نہ خدائی کا مظہر لہٰذا اس مشکل کو حل کرنے کے لیے اس صفت کو سلطان کی شخصیت کے بجائے سلطنت سے متعلق کر دیا گیا اور اسے "ظل اللہ" سے موسوم کیا گیا۔ ہندوستان میں سلطان کے اس خدائی رتبہ کو چھپانے کی بالکل کوشش نہیں کی گئی۔ لوگ سلطان کی موجودگی میں اسے تعظیماً سجدہ کرتے تھے اور اس کی غیر موجودگی میں جب اس کا نام لیا جاتا تو لوگ ادب سے کھڑے ہو جاتے، جب لوگ دہلی سے دور ہوتے تو اس کی طرف ادب سے سر جھکاتے، جب کوئی شخص خالی تخت شاہی کے پاس سے گزرتا تھا تو تسلیم بجا لاتا تھا یہاں تک کہ سلطان کی غیر موجودگی میں شاہی نشانات رکھ کر ان کی تعظیم کی جاتی تھی[۲۸]۔ اس صورت حال میں عربوں کا نظریہ حکومت قطعی طور پر ناقابل قبول تھا، اور اسلام کی سیاسی تعلیمات صرف کتابوں اور دور اول کی تاریخ میں محصور ہو کر رہ گئیں۔ ان سیاسی نظریات و اثرات کے علاوہ علمی، سماجی اور ثقافتی اثرات بھی وسیع پیمانہ پر ہندی مسلمانوں پر مرتب ہوئے اور یہ اس قدر دور رس اور ہمہ گیر تھے کہ یہ سمجھا جانے لگا کہ عہدِ وسطیٰ میں ایران اور ہندوستان دو مختلف تہذیبوں کے علم بردار نہ تھے بلکہ ہندوستان ایرانی تہذیب کا نمائندہ بن گیا تھا[۲۹]۔ علمی اور عقلی لحاظ سے دیکھا جائے تو عہد وسطیٰ میں ہندوستان میں منطق و فلسفہ کا بڑا زور نظر آتا ہے اور یہ تمام تر نہیں تو بیشتر ایران کا رہینِ منت ہے ایران میں چونکہ ہمیشہ ہی منطق و فلسفہ کا زیادہ رواج رہا اور اس کے پیچھے وہ عقلی تحریک کارفرما تھی جو خود ایران کے بطن سے نمودار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوئی تھی، اور جس سے اسلام کی عملی تعلیمات متاثر ہوئی تھیں اس لیے وہاں سے علما و دانشور اور متوسط طبقہ کے لوگ جب ہندوستان آئے تو اپنے ساتھ انہی عقلی علوم کی سوغات لے کر آئے، ہندوستان سے جو لوگ ایران گئے ان کو بھی انہی علوم سے سابقہ پڑا، غلام علی آزاد بلگرامی کے بقول اہلِ ایران سے جو شخص متاخرین کی تصنیفات مثلاً دوانی، شیرازی، منصور، مرزا جان وغیرہ کی تصنیفات لے کر ہندوستان آئے وہ امیر فتح اللہ شیرازی تھے انھوں نے ان کتب کو درس میں داخل کیا، جس کے نتیجہ میں ہندوستان کے شہروں میں منطق و فلسفہ کو قبول عام حاصل ہوا،[۳۰] ابوالفضل بن مبارک نے جو اکبر کا وزیر و مشیر تھا، اپنے دور کے علما کو پانچ طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔

پہلے طبقہ میں منطق و فلسفہ کے ماہرین کو رکھا ہے اور آخر میں علما شریعت کو، اس سے اس عہد کے علمی رجحان کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے، مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں کہ جس وقت ہندوستان عہد شاہجہانی اور عالمگیری سے گذر رہا تھا ایران کی سرزمین ان لفظی فلسفیوں کی علمی جلالتِ شان کے غلغلوں سے گونج رہی تھی اور ہندوستان میں ان غلغلوں کی صدائے بازگشت آ آ کر ٹکراتی تھی[۳۱] مولانا موصوف نے ہندوستان پر نادرشاہ کے حملوں کے مذہبی اور سیاسی مضرات کا جائزہ لیتے ہوئے بتایا ہے کہ نادرشاہ نے ہندوستان کے ساتھ لوٹ کھسوٹ کا جو کچھ معاملہ کیا اس سے قطع نظر وہ یہاں ایک مصیبت بھی چھوڑ گیا یعنی ایران کے دینی رجحانات اور ذہنی و دماغی میلانات، مفتوح ہندوستانی پہلے ہی بہت کچھ متاثر تھے مگر نادرشاہ کے بعد اس میں اور ہی شدت پیدا ہوگئی، بلکہ نادرشاہ اگر یونہی مار پیٹ اور تاخت کر کے نکل بھاگتا تو شاید بغض و عداوت کی وجہ سے کوئی دوسری ہی کیفیت پیدا ہوتی۔[۳۲] شاہ عبدالعزیزؒ اپنے عہد کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "تیس سال سے کچھ دین کا چرچا ہے ورنہ صبح و شام معقولات کے سوا حدیث و تفسیر کی کتابیں کوئی کھول کر بھی نہیں دیکھتا تھا اور (یہ کتابیں) نہ کوئی پڑھتا پڑھاتا تھا اور نہ ان کے متعلق کوئی بات دریافت کرتا تھا اور نہ کوئی حق کا طالب تھا اب الحمد للہ اس کا بہت رواج ہوگیا ہے۔[۳۳] ممکن ہے کہ شاہ صاحب کے اس تاثر میں ان کی دینی تڑپ اور شدتِ احساس بھی کارفرما ہو اور اسے کسی قدر مبالغہ آمیز بھی کہا جائے لیکن اس سے قرآن و سنت کے مقابلہ میں معقولات سے لوگوں کی وابستگی کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

لسانی اور ادبی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو ہندی مسلمانوں پر ایران کے اثرات کچھ زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں، مسلمانوں کی مذہبی زبان عربی ہے مگر عہدِ سلطنت میں از اول تا آخر سرکاری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ادبی زبان فارسی تھی، فارسی ادبیات کا رواج تھا اور عربی کی جگہ فارسی تہذیبی و ملی ظواہر کی شناخت کا کام دیتی تھی، اس زبان نے مسلمانوں کے اندر جو اثر و نفوذ پیدا کیا اس کو الگ کر کے مسلمانوں کی ملی زندگی کا مطالعہ نہیں کیا جا سکتا، چنانچہ علی اصغر حکمت نے لکھا ہے کہ برصغیر ہندوستان کی دس صدیوں میں جو کہ فارسی زبان کی نشوونما کی عمر ہے جس قدر اس سرزمین پر اس کے نظم و نثر کے آثار ظہور پذیر ہوئے اور جس طرح ہندوستانیوں کی روح و فکر میں جاری و ساری رہے اسے ہندوستانی باشندوں کے ملی ادب سے الگ نہیں سمجھا جا سکتا۔[۳۴] ہمایوں کے بعد جو ایران سے ادیبوں اور فن کاروں کی بڑی تعداد ہندوستان وارد ہوئی اس میں عرفی، نظیری، خواجہ عبدالصمد میر علی فرخ، علی مردان، آصف خاں وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اسی بنا پر بعض دانشوروں نے ایران کو دبستان ہند قرار دیا ہے۔[۳۵] ہمارے ملی ادب پر فارسی ادبیات کے جو اثرات، مرتب ہوئے ہیں وہ آج بھی واضح طور پر محسوس کیے جا سکتے ہیں جبکہ مسلمانوں کی مذہبی زبان عربی اور ثقافتی و قومی زبان اردو ہے۔

اردو زبان اپنے آغاز و ارتقا میں بڑی حد تک فارسی کی مرہونِ منت ہے۔ اگر فارسی کے سرمایہ کو الگ کر دیا جائے تو اردو ادبیات بے بنیاد اور بے وقعت بن جاتی ہے۔ اگرچہ اردو میں مذہبی اور ثقافتی سرگرمیوں کا تعارف کرانے والی اصطلاحات بیشتر عربی میں ہیں مگر اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عربی کے پہلو بہ پہلو بہت سی فارسی اصطلاحات بھی ہیں جن کو مسلمانوں نے اسلامی اصطلاحات کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے ان اصطلاحوں کی روح تک پہنچنے کی کوشش کی جائے تو وہ اسلام سے متغائر نظر آتی ہیں۔ کیوں کہ ان کا تعلق ماقبل فارسی اوستائی زبان سے نظر آتا ہے اور وہ زرتشتی مذہب کی اصطلاحات ہیں۔ مثلاً اردو میں "خدا" اللہ کے ہم معنی ہے اور کثیر الاستعمال ہے، پہلوی میں اس کی اصل خوتائے یا خود آئے ملتی ہے، جس کے معنی بادشاہ کے ہیں یہ لفظ اللہ کے معنی میں کبھی استعمال نہیں ہوا، وسط ایشیائی مسلمانوں کے ساتھ یہ لفظ ہندوستان آیا اور اللہ کے معنی میں استعمال ہونے لگا، بادشاہ کے معنی میں اس کا استعمال متروک ہو گیا، البتہ "خداوند" کا استعمال ابھی تک باقی ہے۔[۳۶] اسی طرح ایزد اور یزداں کی اصطلاح بھی اردو میں اللہ کے ہم معنی ہے جبکہ دین زرتشت میں ایزد کا لفظ اھورا مزدا کے فرشتوں کے لیے بولا جاتا تھا جو تعداد میں بہت تھے اور بعض مخلوق سے مرتبہ میں کم تر بھی تھے۔[۳۷] یزداں نیکی کا خدا تھا جبکہ اہرمن شر کا۔ فارسی میں ان الفاظ کا استعمال اللہ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیے ہوا اور اب اردو میں بھی رائج ہو گیا اسی طرح نماز اور روزہ کے لیے عربی میں بالترتیب صلوٰۃ اور صوم کی اصطلاحات موجود ہیں، مگر اردو میں صلوٰۃ اور صوم کی جگہ نماز اور روزہ کی اصطلاحات مستعمل ہیں۔ نماز پازند کے لفظ نماژ سے مستعار ہے جس کے معنی دعا کے ہیں چونکہ صلوٰۃ کے معنی بھی دعا کے ہیں اس لیے صلوٰۃ کی جگہ نماز کا استعمال ہوا حالانکہ زردشتیوں کی دعا خوانی آتش کدوں میں ہوتی تھی اور اس کے لیے وہ نماز کی اصطلاح استعمال کرتے تھے۔ روزہ پہلوی زبان "روچ" اور قدیم فارسی "راچاہ" سے مستعار ہے جس کے معنی دن کے ہیں۔ روزہ چونکہ دن میں رکھا جاتا ہے اس لیے اس کو روزہ سے تعبیر کیا گیا۔[۲۸] زکوٰۃ اور حج کا تصور زرتشتیوں میں نہیں پایا جاتا تھا اس لیے اُن کی کوئی اصطلاح بھی نہ تھی جن سے زکوٰۃ اور حج کا متبادل مستعار لیا جاتا ان اصطلاحات پر غور کیجئے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں اسلامی تہذیب پر قدیم فارسی ادبیات کے انمٹ نقوش موجود ہیں۔

ایران کی اثر انگیزی کی چوتھی شکل معاشرتی اور سماجی نوعیت کی ہے، طرز معاشرت، آداب زندگی، رہن سہن، کھیل کود اور دوسرے سماجی امور میں ایران نے بہت حد تک اپنی روایات ہندی مسلمانوں تک منتقل کی ہیں۔ اس سے پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ ہندوستان پر ایران کے اثرات زیادہ تر حکمراں طبقہ کے ذریعہ مرتب ہوئے مثلاً جشن نوروز ہی کو لے لیجئے یہ ایران کے مشہور موسم بہار کا جشن تھا، ہندوستان میں اورنگ زیب عالمگیر کے عہد تک تمام بڑے شہروں میں منایا جاتا تھا، اس کو یہاں رواج دینے والے مسلم سلاطین ہی تھے۔[۲۹] دوسرے کھیل کود کے طریقے اور تفریحی مشاغل بھی اسی طریقے سے برآمد ہوئے، ڈاکٹر کے ایم اشرف کے بقول سماجی طور و طریق میں مسلمانوں نے معاشرتی انبساط کے تمام فارسی تصورات اور اسباب تفریح کو اپنا لیا، شکار، پولو، شراب، موسیقی، گانے اور نوروز کو اپنا لیا، ایرانی تہذیب سے انھوں نے جملہ ایرانی خیالات کو مع علم تعبیر خواب اور مجوسیوں سے غیب دانی اور پیشین گوئی کے اعتقاد کو قبول کر لیا۔[۳۰] ہندوستان میں شب برات کے موقعہ پر آتش بازی کی رسم بھی ایران ہی سے درآمد کی گئی۔ آتش بازی اسلامی مزاج سے قطعی ہم آہنگ نہیں، لیکن بادشاہوں سے لے کر عوام تک اس کے دلدادہ رہے۔ سلطان فیروز تغلق چار دن تک شب برات مناتا تھا۔ پٹاخے اور بارود کے چار بڑے انبار اس کے لیے مخصوص تھے صرف پٹاخے تیس گدھوں پر لاد کر منگائے جاتے تھے۔[۳۱] بخاری شریف کے ایک ممتاز شارح علامہ بدرالدین عینی ابن دحیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے شب برات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں آتش بازی کا سلسلہ یحییٰ بن خالد برمک کے زمانہ میں شروع ہوا یہ لوگ مجوسی تھے اس لیے دینِ اسلام میں بھی انھوں نے اپنی حرکات شامل کردیں[۴۱] ہندوستان میں مقبروں کی تعمیر بھی ایران ہی کی دین ہے۔

ایرانی اثرات کا ایک اور سماجی پہلو قابل لحاظ ہے کہ آج بھی برصغیر میں رستم کو بہادری کی علامت سمجھا جاتا ہے، اور جن حضرات کو غیر معمولی دادِ شجاعت دی جاتی ہے ان کو رستم ہند یا رستم فلاں وغیرہ کا لقب دیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ ایرانی سپہ سالار رستم جنگ قادسیہ میں مسلمانوں کے حملہ کی تاب نہ لاکر فرار ہوا اور آخر میں دریا میں چھلانگ لگادی ہلال بن علقمہؓ نامی ایک صحابی نے اس کا تعاقب کیا اور وہ بالآخر ان کے ہاتھ سے مارا گیا۔[۴۲] چونکہ رستم ایران کا بہادر سپہ سالار تھا۔ اس لیے ایرانیوں نے اس کو شجاعت کی علامت بنا کر پیش کیا اور ہندی مسلمانوں میں اسے قبول حاصل ہوگیا جبکہ ہلال بن علقمہؓ اس بات کے زیادہ مستحق تھے کہ انھیں نشان شجاعت تسلیم کیا جاتا۔ ہند و پاک کے مسلمان عام طور پر بچوں کے نام پرویز رکھتے ہیں، حالانکہ خسرو پرویز ایران کا وہ حکمراں تھا جس نے غرور اقتدار میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوتی نامہ مبارک کو چاک کردیا اور اپنے یمن کے گورنر کو حکم دیا کہ وہ نبی اکرمؐ کو اس جرأت کی سزا میں گرفتار کر کے مدائن روانہ کرے۔[۴۳]

ہندوستان پر ایران کے جو اثرات مرتب ہوئے ان میں غالباً زیادہ قابلِ لحاظ مذہبی اثرات ہیں۔ کیونکہ یہی وہ چیز ہے جو اسلامی اور غیر اسلامی تہذیب کی تفہیم و تعیین میں خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔ اور اسی کے ذریعہ اسلامی تہذیب کی پرکھ کا کام لیا جاسکتا ہے۔ مورخین و مفکرین قطعی طور پر یہ فیصلہ کرنے کے حق میں نہیں ہیں کہ عربوں کی سیاسی فتح نے ایرانیوں کو مذہبی اعتبار سے بھی پورے طور پر تبدیل کیا تھا یا نہیں۔ مطالعہ تاریخ سے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی فتح کے بعد بھی صدیوں تک ایران میں زردشت یا مجوسی مذہب شکست خوردہ سہی مگر توانا حیثیت میں موجود تھا، زردشت کے پیرو ایران کے بیشتر شہروں میں پھیلے ہوئے تھے اور اپنا مذہبی شعار آتش کدہ باقی رکھے ہوئے تھے۔[۴۴]

عرصہ دراز تک اندرونی سطح پر اسلام اور زردشت مذہب کے مابین سرد جنگ جاری رہی یہاں تک کہ چودھویں صدی عیسوی تک ایرانی مذہب نے اپنا مقام نہیں چھوڑا۔[۴۵] سعید نفیسی کا کہنا ہے کہ ساسانی عہد کے خاتمہ کے ایک عرصہ بعد تک ایران پر بودھی تعلیمات کا اثر باقی رہا کیونکہ ایرانیوں نے ظہور اسلام کے قبل کے اپنے افکار کو کلیتاً ترک نہیں کیا بلکہ انھوں نے حیلوں اور چالاکیوں سے اسلامی عہد میں بھی اپنے قدیم عقائد کی حفاظت کی[۴۶] سیاسی شکست کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعد انتقامی کارروائی کی دو ہی شکلیں زرتشت، مانی اور مزدک کے پیروؤں کے لیے قابلِ عمل تھیں ایک تو یہ کہ علم وثقافت کے پردے میں اپنے مذہب کی اشاعت کریں جس کا تذکرہ کیا گیا۔ دوسرے یہ کہ داخلی اور باطنی طریقہ پر اسلام کو سبوتاژ کریں۔ چنانچہ پوری منصوبہ بندی کے ساتھ اس محاذ پر بھی رجعت پسندانہ سرگرمیاں شروع ہوئیں۔ باطنیت، شعوبیت، قومیت، عقلیت، شیعیت وغیرہ کے نام سے جتنی تحریکیں چلیں ان سب کی سرپرستی اور پشت پناہی ایران سے ہوئی۔ مشہور عقل پرست فرقہ معتزلہ کا بانی واصل بن عطا اور اس مذہب کے بیشتر متبعین ایران ہی سے تعلق تھے۔[۴۸] عربوں میں سب سے زیادہ سرگرم شعوبی گروہ صاحب الزنج کا رہنما علی بن محمد بھی ایران ہی کا باشندہ تھا، مشہور تاریخی فرقہ قرامطہ جو حجر اسود کو خانۂ کعبہ سے نکال کر یمن لے گیا اور گرز مار کر اس کے ٹکڑے کیے اس کا بانی بھی ایک ایرانی تھا۔[۴۹]

ایرانی مذہب کی اس انتقامی کارروائی کے دو نمایاں مظاہر ہیں ایک عجمی یا ایرانی تصوف جو قرآن کے تصورِ تزکیہ و احسان سے بہت حد تک مختلف ہے، دوسرے شیعیت جو تصوف سے بھی زیادہ پیچ در پیچ ہے۔[۵۰] تصوف کے سلسلے میں یہ بات محتاج وضاحت نہیں کہ اس کے بیشتر سلسلے ایران اور اس کی علمی سرحدوں سے رونما ہوئے اور ہندوستان میں انہی سلسلوں کو فروغ ملا تاہم یہاں دو چیزوں کا تذکرہ مناسب رہے گا اس سے تصوف کے ایرانی مزاج کا اندازہ بآسانی لگایا جا سکے گا۔ پہلی چیز یہ ہے کہ مساجد اور مدارس کے اسلامی نظام کے متوازی خانقاہوں کا قیام اور ان کا مخصوص نظام ہے، یہ یقینی طور پر ایرانی تصوف کی پیداوار ہے۔ صدر اسلام میں خانقاہ نام کی کسی چیز کا کوئی وجود نہیں ملتا، مشہور ایرانی دانشور سعید نفیسی نے خانقاہ کے تصور کو قدیم ایرانی تصوف کی ایجاد قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس بات کی تردید نہیں کی جا سکتی کہ ایران کے صوفیا نے خانقاہ کے اصول و مراسم مانویوں سے اخذ کیے ہیں۔ لفظ خانقاہ یقینی طور پر فارسی کے لفظ "خانگاہ" کا معرب ہے اور خانگاہ کی اصطلاح مانویوں نے "جائے گاہ" کے لیے وضع کی تھی جہاں مانی کے ماننے والے جمع ہوتے، قیام کرتے اور عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے تھے چنانچہ عہد اسلامی تک مانوی حضرات اپنے اس مذہبی مقام کو "خانگاہ" کہتے تھے۔[۵۱]

ہندوستانی تصوف میں دوسری اہم چیز بالخصوص چشتیہ سلسلہ کا طرہ امتیاز ہے، ہاتھ پچھاڑنا پاؤں پٹکنا، رقص کرنا، سماع سے محظوظ ہونا وغیرہ یہ سب بھی قدیم ایرانی تصوف کی خصوصیت رہی ہیں۔ تصوف کے غیر ایرانی سلسلوں میں اس کا مطلق رواج نہ تھا، چنانچہ جزیرہ و عراق کے صوفیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں یہ معمول نہیں تھا، نیز مغرب کے صوفیا بھی نہ صرف یہ کہ ان سب سے الگ تھے بلکہ ان کو حرام سمجھتے تھے، اور صوفیا ایران پر اس کی وجہ سے لعن طعن کرتے تھے[۵۲] ایران کی یہ رسم کہن جب ہندوستان درآمد کی گئی تو اس کی وجہ سے علماء اور صوفیا دو متوازی اور باہم مخالف گروہوں میں تقسیم ہو گئے یہاں تک کہ غیاث الدین تغلق کو علماء اور صوفیا کا محضر طلب کر کے مداخلت کرنی پڑی[۵۳]

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ شیعیت کی ابتدا مخصوص سیاسی حالات میں ہوئی اور بظاہر چند جزوی مسائل اس کو وجود میں لانے کا باعث ہوئے مگر اس کی تنظیم و تدوین اور توسیع میں ان خیالات اور عقائد نے اہم رول ادا کیا جو عہدِ قدیم سے ایران میں رائج تھے اور ایرانی تہذیب و معاشرت کی علامت تھے، ہیرو پرستی اس کی ایک نمایاں خصوصیت تھی وہ کسی نہ کسی شکل میں آج بھی باقی ہے، اسی وجہ سے مسلمانوں کی اکثریت نے بحیثیت عقیدہ اور طرزِ عمل شیعیت کو رد کر دیا، ایران کے اندر بھی مسلمانوں کی تبلیغی مساعی کے سبب لوگوں نے بالعموم اسے قبول نہیں کیا، ابتدائی صدیوں میں اگرچہ قم وغیرہ میں شیعیت کے مراکز وجود میں آ چکے تھے لیکن ان سے کہیں زیادہ اہلِ سنت کے مراکز خراسان وغیرہ میں قائم تھے، یہاں تک کہ مغلوں کے حملہ کے بعد ایران میں صفوی حکومت کے قیام کے نتیجہ میں بتدریج شیعیت کی اشاعت ہوئی اسے گویا سرکاری مذہب کی حیثیت سے فروغ دیا گیا، جبکہ اس وقت بھی ایران کے باشندوں کی اکثریت شیعہ نہیں سنی تھی[۵۴] بعد میں یہ اکثریت مختلف تدبیروں سے اقلیت میں تبدیل کر دی گئی۔

ہندوستان میں شیعیت کی باضابطہ اشاعت اس وقت ہوئی جبکہ ہمایوں شیر شاہ سوری سے شکست کھا کر ایران چلا گیا اور صفوی حکومت کی مدد سے ۱۵۵۵ء میں دوبارہ ہندوستان پر قابض ہوا اس وقت شکر گزاری کے بطور اس نے شیعیت کی اشاعت میں حصہ لیا، کہا جاتا ہے کہ ایران جا کر وہ خود بھی شیعہ ہو گیا تھا[۵۵] جبکہ اس کا وزیر باتدبیر بیرم خاں شیعہ تھا اور اس کی وصیت کے مطابق اسے مشہد میں دفن کیا گیا[۵۶] ہمایوں کے ساتھ ایران سے جہاں شیعہ امراء و سپاہی آئے وہیں شیعیت کی تبلیغ کے لیے واعظین اور مبلغین بھی آئے اور باقاعدہ شیعی عقائد کی اشاعت ہونے لگی اس کی وجہ سے ایک مورخ کے بقول ہندوستان کی اسلامی تہذیب میں ایرانی اثرات تورانی اور عرب اثرات سے بھی زیادہ نمایاں ہو گئے[۵۷] عہدِ اکبری میں صورت حال یہ تھی کہ پہلے شیخ الاسلام شیخ گدائی شیعہ تھے، ملا احمد رافضی اور ملا یزدی علی الاعلان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر لعن طعن کرتے اور خلفاء راشدین کو گالیاں دیتے[۵۸] خود اکبر کی گمراہی میں مولانا شیرازی اور دیگر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اہل تشیع کا بڑا دخل تھا۔[۵۹] جہاں گیر کی شیعیت کا حال یہ تھا کہ ملکہ نور جہاں سے لے کر وزیر اور امرا خاص تک شیعہ تھے، جہاں گیر نور جہاں کا اتنا گرویدہ تھا کہ اس کے پاس سوائے نام کی بادشاہت کے اور کچھ نہ رہا، جہانگیر اکثر کہا کرتا تھا کہ میں نے سلطنت نور جہاں کو نذر کر دی، ایک سیر شراب اور آدھ سیر گوشت کے سوا مجھے کسی چیز کی خواہش نہیں ہے۔[۶۰] قاضی نوراللہ شوستری بھی شیعہ تھے اور امامیہ مسلک کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔[۶۱] مجدد الف ثانی کے مکتوبات سے معلوم ہوتا ہے کہ شیعیت اس عہد میں نہ صرف روز افزوں تھی بلکہ اہل سنت کے خلاف جارحیت بھی اختیار کر چکی تھی، حضرت مجددؒ نے ردِ روافض میں جو رسالہ رقم کیا اس کے پس منظر میں یہی حالات تھے۔[۶۲] شاہ شجاع نے اورنگ زیب کے مقابلہ کے لیے ایران سے اہل تشیع کی مدد حاصل کی اور ڈھاکہ میں اتنی بڑی تعداد میں ان کو آباد کیا کہ بقول ایک مورخ کے وہ دوسرا لکھنؤ بن گیا۔[۶۳] امیر خاں میر میراں جو عہد عالمگیری میں ترقی کر کے صوبہ بہار کا حکمراں بنایا گیا، نہایت متعصب شیعہ تھا اور ایران کے فضلاء کی یہاں سے مالی امداد کرتا تھا۔[۶۴] ایک انگریز اہل قلم کے اندازہ کے مطابق اورنگ زیب کے امرا میں بھی اکثریت شیعوں کی تھی۔[۶۵] شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے خلاف طوفان بدتمیزی کھڑا کرنے والا حاکم بھی شیعہ تھا۔[۶۶] شاہ عبدالعزیز نے تحفہ اثنا عشریہ کی وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے مقدمہ میں لکھا ہے کہ "ہمارے زمانہ میں اور ہمارے شہروں میں شیعہ مذہب کی اشاعت کی اب یہ حالت ہوگئی ہے کہ شاید ہی کوئی گھر ہوگا جس میں ایک دو آدمی اس مذہب کے قائل اور شیعہ خیالات سے متاثر نہ ہوں۔[۶۷] عہد مغلیہ کے دورِ زوال میں ساداتِ بارہ کا اس حد تک حکومت میں عمل دخل تھا وہ بادشاہ گر کہلاتے تھے یوسف عادل شاہ نے ہندوستان میں پہلی مرتبہ شیعیت کو سرکاری مذہب کی حیثیت دی اور ذی الحجہ ۹۰۸ھ میں جمعہ کے دن اذان میں "اشهد ان علی ولی الله" کا اضافہ کروایا، ائمہ اثنا عشریہ کے نام کا خطبہ پڑھا اور صحابہ کرام کے نام کو خطبہ سے خارج کر دیا۔[۶۸] ابوالقاسم فرشتہ کہتا ہے کہ یہ پہلا بادشاہ ہے جس نے ہندوستان میں اثنا عشری ائمہ کا خطبہ پڑھا اور شیعی مذہب کو رواج دیا۔[۶۹] ہندوستان کے اہلِ سنت بھی شیعی پروپیگنڈہ اور سرکاری رجحان کے تحت شیعیت کی طرف مائل ہونے اور شعوری یا غیر شعوری طور پر ان کے اثرات قبول کرنے لگے شیعی عقائد میں حضرت علی کو کلیدی مقام حاصل ہے۔ انھیں مافوق الفطرت خصوصیات کا حامل سمجھا جاتا ہے۔ شیعہ حضرات ان کو مظہر العجائب والغرائب قرار دیتے ہیں، اس سلسلے میں ان حضرات نے ایک مشرکانہ روایت بھی گھڑی ہے "نادعلیا مظهر العجائب تجده لك عونا فی النوائب"[۷۰] علی مظہر عجائب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو پکارو گے تو تمام مصیبتوں میں تم ان کو اپنا مددگار پاؤ گے۔

اہلِ سنت حضرات نے بھی شیعوں کے زیر اثر علیؓ کو مظہر العجائب قرار دینا شروع کر دیا، یہاں تک کہ آج بھی ہمارے جمعہ کے خطبہ میں یہ حصہ پڑھا جاتا ہے "..... وعلی مظہر العجائب والغرائب امیر المومنین علی ابن ابی طالب"[41] نیز ابھی تک بہت سے اہلِ سنت کی دوکانوں اور مکانوں میں مذکورہ جھوٹی روایت آویزاں نظر آتی ہے۔

ہندوستان کو ایران سے شیعیت کے علاوہ دوسرے غیر اسلامی نظریات اور گمراہ فرقوں کے تحائف بھی ملے چنانچہ نزاریوں میں حسن بن صباح کا مرکز جس نے حلولی عقیدہ کے حامل اسماعیلی مذہب کو از سر نو ترتیب دیا اور اس کی تبلیغ و اشاعت کے لیے نئے طریقۂ کار وضع کیے، ایران ہی تھا۔[42] اسماعیلیوں کے اصلی مراکز اگرچہ مصر اور بحرین میں تھے لیکن مغلوں کی آمد سے پہلے ان کے معروف فلاسفہ اور پیشوا مثلاً ابو حاتم الرازی، حمید الدین کرمانی، ناصر خسرو وغیرہ ایران میں موجود تھے اور اسماعیلیت وہاں کافی حد تک منظم تھی۔[43] اسی طرح نور الدین سید سعادت گجرات میں اس فرقہ کی تبلیغی مساعی انجام دے کر ایران گیا اور وہاں سے طویل قیام کے بعد پھر ہندوستان لوٹا، نوساری کے قرب و نواح میں اسماعیلیت کو منظم کیا اور اس کی اشاعت کے لیے اپنا نام ہندو رکھا اور اسماعیلی روایات کے مطابق ایک ہندو راجہ کی بیٹی سے شادی کی۔[44] اسی لیے اسے ست گرو بھی کہا جاتا ہے۔

اسماعیلی خوجہ جماعت کے پہلے داعی پیر صدر الدین کے متعلق آغا خانیوں کا بیان ہے کہ آغا خاں کے ایک مورث اعلیٰ اسلام شاہ نے ان کو داعی بنا کر ایران سے بھیجا تھا۔[45] عہد سلطنت میں ان سب کے بعد آنے والا نقطوی فرقہ ہے جسے محمودیہ، واحدیہ اور تناسخیہ وغیرہ بھی کہا جاتا ہے، اس فرقہ کا وجود بھی ایران کا رہین منت ہے، اس فرقہ کا بانی محمود، ۸۳۳ھ گیلان کے ایک گاؤں پاسخان کا باشندہ تھا اور ایران و عراق اور ترکی میں اس کے متبعین بڑی تعداد میں موجود تھے۔[46] ایک خیال یہ ہے کہ حافظ شیرازی کا بھی اس فرقہ سے تعلق تھا اور ان کے حسب ذیل شعر سے استشہاد کیا جاتا ہے۔

اے صبا گر بگذری بر ساحل رودارس　　بوسہ زن بر خاک آں وادی و مشکیں کن نفس

رودارس شمالی ایران کی وہ جگہ ہے جہاں محمود نے کچھ زمانہ تک قیام کیا تھا۔[47] اس فرقہ کا سرچشمہ ایک دوسرا فرقہ "حروفی" تھا جس کی بنیاد فضل اللہ استرآبادی م ۷۹۶ھ نے تیمور لنگ م ۸۰۶ھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے زمانۂ حکومت میں ڈالی تھی۔[۷۷] اسی فرقہ سے نقطوی گروہ برآمد ہوا۔ اس گروہ کا عقیدہ تھا کہ ہر چیز کی ابتدا نقطہ، خاک یا ذرہ خاک سے ہوئی ہے اور تمام عناصر کا تعلق خاک ہی سے ہے، یہ فرقہ تناسخ ارواح کا بھی قائل تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ مرنے کے بعد روحیں انسان، حیوان نباتات اور جمادات وغیرہ کا قالب اختیار کرتی رہتی ہیں۔ یہ لوگ آفتاب کی تعظیم کرتے اور اس کو قبلہ کہتے تھے۔[۷۸] اس کے بانی کا دعویٰ تھا کہ اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کمال کی منزل حاصل کی ہے اس نے یہ بھی باور کرانے کی کوشش کی کہ اس کے ظہور میں آنے سے شریعت محمدیؐ منسوخ ہو چکی ہے۔[۷۹] شاہ عباس کے زمانے میں جب نقطیوں پر تشدد ہوا تو انھوں نے ہندوستان کو جائے پناہ بنایا اور دربار اکبری میں ان کو اثر و رسوخ حاصل ہوا۔[۸۰] خیال کیا جاتا ہے کہ بادشاہ اکبر اور اس کے وزیر ابو الفضل علامی کا بھی اس گروہ سے تعلق تھا۔[۸۲]

انیسویں صدی کے نصف اول کا بہائی فرقہ جسے بابی بھی کہا جاتا ہے ایران ہی کی سرزمین سے نمودار ہوا۔[۸۳] اس فرقے کے بانی حسین علی بہاء اللہ (ولادت ۱۸۳۰ء وفات ۱۸۹۲ء) تہران میں پیدا ہوئے، اور ان کے روحانی پیشوا اور استاذ سید علی باب اللہ (۱۸۲۰ء، ۱۸۵۰ء) شیراز میں پیدا ہوئے۔[۸۴] یہ اہل تشیع کا ایک ذیلی فرقہ تھا جس نے اپنی تحریک کا آغاز مہدویت اور نقطۂ اولیٰ کے دعووں سے کیا اور بالآخر اسلام کے متوازی ایک جدید مذہب وجود میں آیا۔ ہندوستان میں اس کے بے شمار متبعین موجود ہیں، حال ہی میں کروڑوں کی لاگت سے کالکاجی دہلی کے پاس ان کی عبادت گاہ تعمیر ہوئی ہے جو "بہائی ٹمپل" کے نام سے موسوم ہے۔

حوالہ جات

۱ـہ Nalinee. M. Chapekar, Anciant India and Iran P.P. 17 Delhi 1982

۲ـہ سعید نفیسی، سرچشمہ تصوف در ایران ص۱۰، تہران ۱۹۶۵ء، نیز محولہ بالا

۳ـہ Anciant India and Iran PP. 12

۴ـہ Ibid PP. 6 ۵ـہ Ibid

۶ـہ H.D. Griswold, The religion of Riqveda PP. 20 Delhi 1971

۷ـہ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی، وید اور اس کی قدامت ص۶۵-۶۶، دہلی ۱۹۶۹ء

۱۰۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ھ۸ The religion of Rigveda PP. 21-

ھ۹ Anciant India and Iran PP. 25

ھ۱۰ Encyclopeadia of Religion and ethics "Magi"

ھ۱۱ Sudhaker, Chattopadhya, The Acheminids and India PP. 36 New Delhi 1974

ھ۱۲ Moultan, Early religious poetry of Persia PP. 75, 77

ھ۱۳ ڈاکٹر محمد خزائلی اعلام قرآن صد ۵۳۳، تہران ۱۳۴۱ بہمن

ھ۱۴ J.L. Nehru, Discovery of India PP. 137 London 1946

ھ۱۵ علی اصغر حکمت، سرزمین ہند صد ۶۱، تہران ۱۳۳۷ م

ھ۱۶ احمد امین، ضحی الاسلام ۱/۱۷۷، قاہرہ ۱۹۶۴ء ھ۱۷ ایضاً

ھ۱۸ ابوالحسن علی بن حسین المسعودی، مروج الذہب ومعادن الجوہر ۲/۲۴۴، قاہرہ

ھ۱۹ علامہ شبلی نعمانی، علم الکلام صد ۱۷، اعظم گڑھ ۱۹۳۹ء

ھ۲۰ سعید احمد اکبرآبادی، مسلمانوں کا عروج وزوال صد ۸۸، دہلی ۱۹۴۲ء

ھ۲۱ رابرٹ بریفالٹ، تشکیل انسانیت صد ۲۴، اردو ترجمہ عبدالحمید سالک، لاہور ۱۹۵۹ء

ھ۲۲ خلیق احمد نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات صد ۳۶، دہلی ۱۹۸۱ء

ھ۲۳ ایضاً، تعارف از پروفیسر محمد حبیب

ھ۲۴ ضیاء الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی صد ۳۴، کلکتہ

ھ۲۵ K.M. Ashraf, Life and Conditions of the people of Hindustan P.P. 30 Delhi, 1970.

ھ۲۶ تاریخ فیروز شاہی صد ۷ ھ۲۷،۲۸ K.M. Ashraf PP. 31

ھ۲۹ Milton, Islamic, Society and Caltare, Chap: AKbers intellectual Contect with Iran, Edited by Raziul Islam

ھ۳۰ عبدالحی لکھنوی، الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند صد ۱۵، دمشق ۱۹۵۸ء

ھ۳۱ مناظر احسن گیلانی، تذکرہ شاہ ولی اللہ، صد ۱۷۶، کراچی ۱۹۵۹ء ھ۳۲ ایضاً صد ۱۸۰

ھ۳۳ شاہ عبدالعزیز دہلوی، ملفوظات صد ۱۷۱، اردو ترجمہ ایوب قادری، کراچی ۱۹۶۰ء

ھ۳۴ علی اصغر حکمت، نقش پارسی بر احجار ہند مقدمہ، کلکتہ ۱۹۵۷ء

م/۱۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۵۔ شیخ محمد اکرم، رودکوثر ص ۳۳، لاہور ۱۹۸۶ء

۳۶۔ ڈاکٹر معین، فرہنگ معین، مادہ ایزد ۔ ۳۷۔ ایضاً

۳۸۔ ڈاکٹر کبیر احمد جائسی، ہند اسلامی تہذیب کا ارتقا ص ۶۳، مرتبہ آزاد فاروقی دہلی ۱۹۸۵ء

۳۹۔ M. Yaseen, A Social history of India. PP. 61. Lucknow 1958

۴۰۔ K. M. Ashraf PP. 30

۴۱۔ ایضاً ص ۲۲۳ ۴۲۔ بدر الدین عینی، عمدۃ القاری ۳۰۹/۲ ، قاہرہ

۴۳۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ ۲/۸۱ ، بیروت ۱۹۶۵ء تاریخ الطبری ۳/۵۶۲ مصر ۱۹۶۲ء

۴۴۔ ابن ہشام، سیرۃ النبی ۲/۶۲، قاہرہ ۴۵۔ اعلام قرآن ص ۵۳۴

۴۶۔ Seyed Hussain Nasr, Islam and the Plight of Modernman PP. 104, London 1975

۴۷۔ سرچشمہ تصوف در ایران ص ۳۳ ۴۸۔ رضا زادہ شفق تاریخ ادبیات ایران ص ۳۲، تہران ۱۳۴۲ء

۴۹۔ سرچشمہ تصوف در ایران ص ۳۳

۵۰۔ قاسم غنی، بحث در آثار و افکار و احوال حافظ ۲/۳ ، تہران

۵۱۔ سرچشمہ تصوف در ایران ص ۱۰۴ ۵۲۔ ایضاً

۵۳۔ میر خورد، سیر الاولیا ص ۱۵۱، لاہور ۱۹۸۴ء

۵۴۔ Seyd Hussain Nasr PP. 105

۵۵۔ عبدالقادر بدایونی، منتخب التواریخ ۱/۳۴۵، کلکتہ ۱۸۶۸ء

۵۶۔ صمصام الدولہ شاہ نواز خاں، ماثر الامرا ص ۳۷۹، اردو ترجمہ ایوب قادری، لاہور ۱۹۶۸ء

۵۷۔ رودکوثر ص ۳۳ ۵۸۔ منتخب التواریخ ۲/۲۱

۵۹۔ ایضاً ص ۲۸۷ ۶۰۔ ماثر الامرا ص ۱۳۹

۶۱۔ فیض احمد، المشاہیر ص ۷۶، نامی پریس میرٹھ ۱۹۱۰ء

۶۲۔ ملاحظہ ہو رسالہ رد روافض، مع عربی ترجمہ از شاہ ولی اللہ دہلوی، شاہ ابوالخیر اکیڈمی دہلی -

۶۳۔ A Social history of Islamic India PP. 8

۶۴۔ ماثر الامرا ص ۳۷۶ ۶۵۔ رودکوثر ص ۳۴

۶۶۔ عبید اللہ سندھی، شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص ۳۴، لاہور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۶۷ھ شاہ عبدالعزیز، تحفہ اثنا عشریہ مقدمہ
۶۸ھ ابوالقاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ ۱/۱۱ نول کشور لکھنو ۶۹ھ ایضاً
۷۰ھ ملا علی قاری، موضوعات کبیر ص۹۳، مصر ۱۹۸۹ء ۷۱ھ خطبہ شاہ اسماعیل شہید
۷۲ھ شیخ محمد اکرام، آب کوثر ص۳۴۵، لاہور ۱۹۸۶ء
۷۳ھ Seyd Hussain Nasr PP. 104 ۷۴ھ آب کوثر ص۳۴۰ ۷۵ھ ایضاً ص۳۴۵
۷۶ھ دبستان مذہب ص۳۰۰، نول کشور، کانپور ۱۹۰۴ء
۷۷ھ نذیر احمد، فرقہ نقطوی پر ایک نظر، فکر و نظر علی گڑھ شمارہ ۳، ۱۹۶۰ء
۷۸ھ ایضاً۔ ۷۹ھ دبستان مذاہب ص۳۰۰
۸۰ھ ایضاً ۸۱ھ فرقہ نقطوی پر ایک طائرانہ نظر، فکر و نظر، علی گڑھ ۱۹۶۰ء
۸۲ھ Islamic Soceity and cultur. PP. 353
۸۳ھ Encyclopeadia of Religion and ethics "Babis"
۸۴ھ H. M. Balyuzi, Bahaullah PP. 19 oxford 1980

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی کی ایک تازہ پیش کش
مولانا سید جلال الدین عمری کی نئی کتاب
اسلام اور مشکلات حیات
- اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں پر مشکلات اور مصائب کیوں آتے ہیں؟
- اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو ملی اور اجتماعی، شخصی اور انفرادی مشکلات سے کیوں گزارا جاتا ہے؟
- امراض، جسمانی تکالیف، مالی مشکلات، حادثات اور صدمات میں ایک مومن کا کیا رویہ ہونا چاہیے؟
- مرض اور مشکلات حیات میں خودکشی کیوں ناجائز ہے؟
- مرض کی شدت میں کسی کی جان کیوں نہیں لی جا سکتی؟
یہ کتاب قرآن وحدیث کی روشنی میں ان سوالات کا جواب فراہم کرتی ہے، موثر انداز بیان، دل نشین بحث اور علمی اسلوب۔ آفسٹ کی حسین طباعت، خوب صورت سرورق۔ ضخامت ۸۸ صفحات۔ قیمت ۸ روپے
ملنے کا پتہ: مینجر مکتبہ تحقیق و تصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی۔ دودھ پور علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱

© rasailojaraid.com